غالب کی امن پسندی: ان کے مکاتیب کی روشنی میں

ڈاکٹر غلام ربانی*

Abstract:

Although Mirza Ghalib (1797-1869) lived through very critical moment of turmoil yet like a great creator so with a sense of aesthetic always desires and dreams of peace. In this article author has given certain example from his letter reflecting his state of mind. These sentences are frequently quoted but the critical side of the researcher has given significant meaning and direction.

آج کل ہم گاؤں میں رہنی والی ماں سے ایک سکنڈ میں موبائل سے بات کر لیتے ہیں۔ ایک لحہ میں ماں کی حال پرسی ہو جاتی ہے۔ موبائل سے بات ہونے کے بعد اطمنان قلب سے ماں دن گزرتی ہے۔ اگر کسی دن موبائل نہ آئے تو ماں کے پاس وہ دن قیامت جیسا لگتا ہے۔ آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے موبائل نہ تھا۔ اس وقت جس نے خط وکتابت کو موبائل بنا دیا تھا وہ ہے مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ۔ جو ہزار میل دور سے بزبانِ قلم باتیں کیا کرتے تھے۔ موبائل سے جس طرح ایک لحہ میں جواب مل جاتا ہے اسی طرح غالبؔ بھی ایک لحہ میں جواب لیا کرتے تھے۔ تفضّل حسین خاں کو ایک خط میں غالبؔ لکھتے ہیں۔ ''مرزا صاحب! میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہزار کوس سے بہ زبانِ قلم باتیں کیا کرو، ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔''(۱)

آخری عمر میں غالبؔ صرف خطوط ہی پر وقت گزارتے تھے۔ خطوط کے بغیر ان کی زندگی نہیں چلتی تھی۔ کسی روز اگر اس کے پاس خط نہ پہنچتا تو وہ بے قرار ہو جاتے تھے۔ ان کے ۶۲واں یوم ولادت میں ۲۷ دسمبر ۱۸۵۸ء میں ہرگوپال تفتہ کو اسی حالت کی اطلاع دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

میں اس تنہائی میں صرف خطوں کے بھروسے جیتا ہوں یعنی جس کا خط آیا میں نے جانا

---

* صدر شعبۂ اُردو، ڈھاکہ یونیورسٹی، بنگلہ دیش

کہ وہ شخص تشریف لایا۔ خدا کا احسان ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جو اطراف وجوانب سے دو چار خط نہیں آرہتے ہوں بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دودو بار ڈاک کا ہر کارہ خط لاتا ہے۔ایک دو صبح کوایک دو شام کو۔ میری دل لگی ہو جاتی ہے۔دن ان کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گزر جاتا ہے۔ یہ کیا سبب؟ دس دس بارہ بارہ دن سے تمہارا خط نہیں آیا یعنی تم نہیں آئے۔(۲)

غالبؔ کے خطوط میں کیا تھے؟ تاریخی مأخذ؟ عشقی بیان؟ سیاسی بات؟ فلسفہ؟ ڈرامائیت؟ ظرافت؟ کیا تھے مکاتیب غالب میں؟ اوپر کے سب سوال کے جواب میں یہی جواب آئیگا کہ سب ہی بات کچھ نہ کچھ تو تھی ان کے خطوط میں۔لیکن خطوط غالب کا جو موضوع اس دور کے لئے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے وہ ہے امن پسندی۔

قارئین غالبؔ کے خطوط پڑھتے تھے دل بھلانے کے لئے۔ظرافتی انداز کی وجہ سے ان کے خطوط دوست واحباب کو بہت پسند آتے تھے۔ غالبؔ بھی اپنے دوستوں کے مکاتیب پڑھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ وہ خط کو کھانے کی چیز کی طرح مزے دار چیز سمجھے تھے۔ میوے سے بھی زیادہ لذیذ سمجھے تھے،خطوط کو دل فریبی کے اسباب جانتے تھے۔اسی لئے غالبؔ سورت کے دولت منداور صوفی بزرگ میر غلام بابا خان بہادر کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

پرسوں میاں سیف الحق کا خط پہنچا۔ خط کیا تھا،خوان دعوت تھا۔ میں نے کھانے بھی کھا ئے،میوے بھی کھائے، ناچ بھی دیکھا،گانا بھی سنا۔ خدا تم کو سلامت رکھے کہ اس نالائق درویش گوشہ نشین پر اتنی عنایت کرتے ہو۔(۳)

غالبؔ کے خطوط کے بارے میں تو یہ سب باتیں ہر ایک جانتا ہے۔اب چلیں ہم دیکھیں کہ غالبؔ کے خطوط میں امن پسندی کہاں تک ہے۔محبت کہاں تک ہے۔ غالبؔ نے مکاتیب کو سکون وراحت کا وسیلہ کیسے بنایا۔ ایک خط دیکھئے:

ہاہاہا! میرا پیارا میر مہدی آیا!
آؤ بھائی،مزاج تو اچھا ہے؟ بیٹھو! یہ رام پور ہے، دارالسرور ہے جو لطف یہاں ہے وہ اور کہاں ہے؟ پانی، سبحان اللہ! شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہے اور کوسی اس کا نام ہے۔ بے شبہ چشمۂ آبِ حیات کی سوت اس میں ملی ہے۔ (۴)

کیا یہ خط ہے؟ یا غالبؔ کی دلی محبت کا ایک پیغام ہے۔ ہر کوئی یہ خط پڑھ کر ایک امن وراحت کی ایک تصویر اپنی دل میں کھینچ لیتا ہے، جہاں پہ صرف اطمنان قلب ہے، دماغی تسکین ہے۔

غالبؔ کے خطوط میں حقیقت کی پوری عکاسی ملتی ہے۔ غالبؔ اپنی نظر سے جو دیکھتے تھے اور دل ودماغ سے جو فکر کرتے تھے وہی اپنی خط وکتابت میں بلا تکلف لکھ دیتے تھے۔ غالبؔ کسی کو نہیں ڈرتے۔حق گوئی میں کبھی

پیچھے نہ رہتے تھے۔ ان کا قلم برداشتہ لکھ چلتا تھا اور اس میں کوئی بات چھپانے کے درپے نہیں ہوتے تھے۔ ۱۹ دسمبر ۱۸۵۸ مورخہ کے ایک خط میں وہ تفتہ کو لکھتے ہیں:

> مجھ کو دیکھو نہ آزاد ہوں نہ مقید، نہ رنجور ہوں نہ تندرست، نہ خوش ہوں نہ ناخوش، نہ مردہ ہوں نہ زندہ۔ جیے جاتا ہوں۔ باتیں کیے جاتا ہوں، روٹی روز کھاتا ہوں۔ شراب گاہ گاہ پیے جاتا ہوں۔ جب موت آئے گی مر رہوں گا۔ نہ شکر ہے نہ شکایت، جو تقریر ہے بہ سبیل حکایت۔(۵)

غالبؔ کبھی کبھار کسی پر خفا اگر چہ ہو جاتے تھے، لیکن یہ صرف کئے منٹ کے لئے۔ بات کرتے کرتے پھر صلح کا راستہ اختیار کر لیتے تھے۔ اور یہ طرز ان کے خطوط میں بھی بہت جگہ ملتی ہے۔ منشی ہرگوپال تفتہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں: ''کیوں صاحب، روٹھے ہی رہوگے یا کبھی منوگے بھی؟ اور اگر کسی طرح نہیں منتے تو روٹھنے کی وجہ تو لکھو''۔(۶)

غالبؔ میں انسان دوستی تھی۔ ہر انسان کے امن پسند تھی۔ کوئی انسان تکلیف اور مصیبت میں پھانسے رہے وہ کبھی نہیں چاہتے تھے۔ یہاں تک کہ کسی کی خبرِ بد پر وہ پریشان ہو جاتے تھے۔ میر مہدی کو ایک خط میں اپنی بے چینی گی کا اس طرح اظہار کرتے ہیں۔

> نواب فیض محمد علی خاں کے بھائی حسن علی خاں مر گئے۔ حامد علی خاں کی ایک لاکھ تیس ہزار کئی سو روپیہ کی ڈگری بادشاہ پر ہوگئی۔
> کلو داروغہ بیمار ہو گیا تھا، آج اس نے غسل صحت کیا۔ باقر علی خاں کو مہینے بھر سے تپ آتی ہے۔ حسین علی خاں کے گلے میں دو غدود ہو گئے ہیں۔ شہر چپ چاپ، نہ کہیں پھا وڑا بجتا ہے، نہ سرنگ لگا کر کوئی مکان اڑایا جاتا ہے، نہ آہنی سڑک آتی ہے، نہ کہیں دمدمہ بنتا ہے۔ دلی شہر خموشاں ہے۔ کاغذ نبڑ گیا ورنہ تمہارے دل کی خوشی کے واسطے ابھی اور لکھتا۔(۷)

غالب ہمیشہ دوسرے کی حال پرسی میں مصروف رہے۔ دوست احباب کی کیا حالت ہے اس کی خبر رکھتے تھے۔ دوسروں کی مصیبت پر افسوس اظہار کرتے تھے۔ ان کے مصائب دور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ غالبؔ اپنے تلمیذ محمد میاں داد خاں سیاحؔ جو سیف الحق سے بھی مشہور تھا اس کو ۱۴ اکتوبر ۱۸۶۱ مورخہ کے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

> ہاں خاں صاحب! آپ جو کلکتے پہنچے ہو اور سب صاحبوں سے ملے ہو تو مولوی فضل حق کا حال اچھی طرح دریافت کر کے مجھ کو لکھو کہ اس نے رہائی کیوں نہ پائی؟ اور وہاں جزیرے میں اس کا کیا حال ہے؟ گزارا کس طرح ہوتا ہے۔(۸)

غالب دوسروں کی صرف حال پرسی ہی نہیں کرتے۔ بلکہ دوسروں کی فتح و کامیابی سے وہ بہت مسرت

ہوتے تھے۔ ان کو اس سے نشاط ملتی تھی، کم از کم دوسروں کی رہائی کے لئے دعا کرنا وہ اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے۔ اور جب دعا قبول ہوتا تھا تب تو اس کی خوشی کا کوئی حد ہی نہ رہتا۔ نواب میر غلام بابا خان بہادر جب ہائی کورٹ سے فتح پائی تو اس کو تہنیت دیتے ہوئے اپریل ۱۸۶۷ مورخہ وہ لکھتے ہیں۔

> سلام مسنون الاسلام ودعائے دوام دولت واقبال کے بعد عرض کیا جاتا ہے کہ ان ایام میمنت فرجام میں، جواز روے اخبار بمبئی آپ کی افزائش عز وجاہ کے حالات معلوم ہوے، متواتر شکر الٰہی بجالایا، اور اس ترقی کو اپنی دعا کا نتیجہ جان کر اور زیادہ خوش ہوا۔ خصوصًا عدالت العالیہ میں فتح پانا اور حق حقیقی کا ظہور میں آنا، کیا کہوں کیا مسرت و شادمانی کا موجب، اور کس طرح کی نشاط وانبساط کا سبب ہوا ہے۔
> حق تعالیٰ یہ فتح مبارک وہمایوں کرے۔ (۹)

اگر چہ غالبؔ اس کو تہنیت بھیجی تھی لیکن نواب بہادر سے ان کے فرط محبت کے وجہ سے وہ چاہتے تھے کہ نواب صاحب خود ان کو اس کی فتح کا اطلاع دیں۔ نواب صاحب کے مقدمہ جیتنے کی خبر انہوں نے ''اودھ اخبار'' میں پہلے پڑھا اس لئے سیاحؔ کو ۳۱ مارچ ۱۸۶۷ع لکھتے ہیں۔

> صاحب! میں نے اودھ اخبار میں دیکھا کہ چھوٹے صاحب مقدمہ جیتے اور بمبئی کے صاحبوں میں ان کی افزائش جاہ وجلال وتعظیم وتوقیر کمال ہوئی۔ میں تو تہنیت میں خط لکھوں گا۔ مگر رشک آتا ہے کہ یہ حوالہ "اودھ اخبار" لکھوں اور بحوالہ سیف الحق نہ لکھوں؟ زیادہ زیادہ۔ (۱۰)

غالبؔ اپنے دوست واحباب کو بہت پسند کرتے تھے۔ اچھے اخلاق والے لوگوں کو وہ بہت محبت کرتے تھے۔ وہ پیارے لال آشوب کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

> فرزند ارجمند اقبال بلند بابو ماسٹر پیارے لال کو غالب ناتواں نیم جان کی دعا پہنچے۔ لاہور پہنچ کر تم نے مجھے خط نہ بھیجا۔ اس کی جتنی شکایت کروں بجا ہے۔ تم نہیں جانتے کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔ میں تمہارا عاشق ہوں اور کیوں کر نہ عاشق ہوں؟ صورت کے تم اچھے، سیرت کے تم اچھے، شیوہ وروش کے تم اچھے۔ خالق نے خوبیاں تم میں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہیں۔ اگر میرا صلبی فرزند ایسا ہوتا تو میں اس کو اپنا فخر خاندان سمجھتا اور اب تم جس قوم اور جس خاندان میں ہو، اس قوم اور اس خاندان کے ذریعہ افتخار ہو۔ خدا تم کو سلامت رکھے اور عمر ودولت واقبال وجاہ وجلال عطا کرے۔ (۱۱)

غالبؔ اپنی زندگی میں امن پسندی کی وجہ سے بار ہا دوسروں سے آپس رفع کر لیا تھا۔ اگر کسی کو کبھی کوئی برا بھلا کہا تو تھوڑی دیر بعد ہی معذرت پیش کرنا اور اس کو تسلی دینا شروع کر دیتے تھے۔ ہر گوپال تفتہ کو وہ ایک خط میں

لکھتے ہیں:

> میاں!
>
> تمہارے انتقالات ذہن نے مارا۔ میں نے کب کہا تھا کہ تمہارا کلام اچھا نہیں؟ میں نے کب کہا تھا کہ دنیا میں کوئی سخن فہم وقدر دان نہ ہوگا؟ مگر بات یہ ہے کہ تم مشق سخن کر رہے ہو اور میں مشق فنا میں مستغرق ہوں۔ (۱۲)

غالبؔ دوسروں کی برائی نہیں چاہتے تھے۔ ایک مرتبہ علاء الدین خاں کے لڑکا پیدا ہوا تو غالبؔ نے اس کی تاریخی نام رکھ دیا۔ کسی وجہ سے وہ لڑکا مر گیا تو اس کو بدگمانی ہوگئی کہ اس کی تاریخی نام کی وجہ سے یہ حال ہوا۔ تو ایک دوسرا لڑکا جب پیدا ہوا اور اس کے لئے بتایا گیا کہ آپ ایک تاریخی نام رکھ دیجئے تو وہ انکار کر بیٹھے اور کہہ دیا:

> علاء الدین خاں! تیری جان کی قسم میں نے پہلے لڑکے کا اسم تاریخی نظم کر دیا تھا۔ وہ لڑکا نہ جیا۔ مجھ کو اس وہم نے گھیرا ہے کہ میری نحوست طالع کی تاثیر تھی۔ میرا ممدوح جیتا نہیں۔
>
> نصیر الدین خاں حیدر اور امجد علی شاہ ایک ایک قصیدے میں چل دیے۔ واجد علی شاہ تین قصیدوں کے متحمل ہوئے۔ پھر نہ سنبھل سکے۔ جس کی مدح میں دس بیس قصیدے کہے گئے وہ عدم سے بھی پرے پہنچا۔ نہ صاحب! دہائی خدا کی، میں نہ تاریخ ولادت کہوں گا، نہ نام تاریخی ڈھونڈوں گا۔ حق تعالیٰ تم کو اور تمہاری اولاد کو سلامت رکھے اور عمر و دولت و اقبال عطا کرے۔ (۱۳)

غالبؔ کے باپ دادا کی جاگیرداری کی وجہ سے ان کا بچپن نہایت بےفکری میں گزرا۔ جوانی کے ابتدائی زمانے میں بھی بوجہ چچا کی جاگیرداری ان کو بےفکری میں گزارنے کی توفیق ہوئی۔ اسی ماحول میں پرورش پانے سے معاشرتی احساس تفوق و برتری پیدا ہوا، جو آخری وقت تک باقی رہا۔ اسی وجہ سے ۱۸۴۲ء میں دہلی کالج کی پروفیسری کے لئے بلایا جانے کے باوجود ان کے استقبال میں کمی ہونے کی وجہ سے کالج کی ملازمت سے انکار کر دیا۔ کالج کے اندر ہی داخل نہ ہوئے۔ ان کی آزاد زندگی کا آثر یہ تھا کہ وہ قمار بازی والوں کے ساتھ شریک ہونے لگے اور آخر ایک وقت قید بھی ہوگئے۔ جیل میں بھی جانا پڑا۔ (۱۴)

غالبؔ بھی اس سے بہت شرمندہ ہوئے اور ارادہ کر لیا کہ اپنے زندگی کے رخ کو صحیح راستہ پر لئے آئیں۔ اس لئے وہ تفتہؔ کو لکھتے ہیں:

> جی پور کا امر محض اتفاقی ہے...... سرکار انگریزی میں بڑا پایہ رکھتا تھا۔ رئیس زادوں میں گنا جاتا تھا۔ پورا خلعت پاتا تھا۔ اب بدنام ہو گیا ہوں اور ایک بہت بڑا دھبہ لگ گیا ہے۔ کسی ریاست میں دخل نہیں کر سکتا۔ مگر ہاں استاد یا پیر یا مداح بن کر راہ و رسم پیدا

کروں۔(۱۵)

غالب کی امن پسندی کا معاینہ ہوتا ہے ۱۸۵۷ء کے واقعات میں۔ ۱۷۵۷ء میں نواب سراج الدولہ کی شکست کے بعد انگریزوں نے پورے ہندوستان کو قبضہ میں لے لیا۔ یہاں کے مسلمانوں اور ہندوں نے اپنی آزادی خو بیٹھی۔ غلامی کی زندگی سے چھٹکارا پانے کے لئے بہت سارے انسان راہ دیکھنے لگے۔ ۱۸۵۷ء کے ۱۱ مئی مطابق ۱۶ رمضان ۱۲۷۳ھ لشکروں نے دلّی پر حملہ کیا اور دلّی کو دخل بھی کر لیا۔ اس وقت غالبؔ نے اپنے کو امن پسندی میں شامل کرنا چاہا۔ بغیر خون خرابی کے وہ اپنے گھر میں بیٹھے رہے۔ پیدل اور گھوڑ سوار ہندوستانی سپاہیوں نے انگریزوں پر حملہ کرنے لگے۔ جہاں بھی انگریز سپاہیوں کے سامنے مل گئے وہیں ان کو ختم کرنے لگے۔ اس وقت کے واقعات بیان کرتے ہوئے غالبؔ نے فارسی میں ایک رسالہ لکھا اس کا نام رکھا "دستنبو"۔ اس میں انہوں نے اپنے چشم دیدہ واقعات ۱۸۵۷ء بیان کئے ہیں۔ اس "دستنبو" کوانہوں نے "یہی میرا خط" بتایا۔ وہ ۱۷ اگست ۱۸۵۸ مورخہ مرزا ہر گوپال تفتہ کو لکھتے ہیں:

> ''اب ایک امر سنو: میں نے آغاز یازدہم مئی سنہ ۱۸۵۷ع سے سی و یکم جولائی سنہ ۱۸۵۸ تک روداد شہر اور اپنی سرگذشت یعنی ۱۵ مہینے کا حال نثر میں لکھا ہے، اور التزام اس کا کیا ہے کہ دساتیر کی عبارت یعنی پارسی قدیم لکھی جائے اور کوئی لفظ عربی نہ آئے۔ جو نظم اس نثر میں درج ہے وہ بھی بے آمیزش لفظ عربی ہے۔ ہاں، اشخاص کے نام نہیں بدلے جاتے۔ وہ عربی، انگریزی، ہندی جو ہیں وہ لکھ دیے ہیں۔(۱۶)

غالبؔ ۱۸۵۷ میں گوشہ نشین تھے۔ نہ انہوں نے بادشاہ کے ساتھ دیا، نہ انہوں نے انگریز کے ساتھ تھا۔ بین بین راستہ اختیار کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے اولاً وہ دنوں کے پاس اچھے تھے۔ وہ ہر گوپال تفتہؔ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> بہ ہر حال یہ خدا کا شکر ہے کہ بادشاہی دفتر میں سے میرا کچھ شمول فساد میں پایا نہیں گیا۔ اور میں حکام کے نزدیک یہاں تک پاک ہوں کہ پنشن کی کیفیت طلب ہوئی ہے اور میری کیفیت کا ذکر نہیں ہے، یعنی سب جانتے ہیں کہ اس کو لگاؤ نہ تھا۔(۱۷)

انہوں نے اگر چہ گوشہ نشینی اختیار کیا تھا لیکن ان کا حال ہوا ''نہ گھر کا، نہ گھاٹ کا''۔ انگریز کے نزدیک وہ بادشاہ کے تعاون کی وجہ سے گرفتار تک ہوئے۔ ان کو ۱۵ اکتوبر ۱۸۵۷ع میں کرنال براون کے پاس لےگئے۔ بہت طعنہ تشنیع کی گئی۔ مسلمانوں کے معاون سمجھ کر بہت دن تک ان کے پنشن کو موقوف رکھا گیا۔ آخر رامپور کے نواب کے توسط سے پھر پنشن جاری ہوا تھا۔

غالبؔ اگر چہ اَمن پسندی کی وجہ سے دروازہ بند کر کے گھر پر بیٹھے تھے، لیکن اس سے ان کو بہت بدنام ہو گیا تھا۔ اس بات کو وہ سن کر ہر گوپال تفتہؔ کو وہ لکھتے ہیں:

''خدا کے واسطے میرے باب میں لوگوں نے کیا خبر مشہور کی ہے، بہ نسبت حکیم احسن اللہ خاں کے جو بات مشہور ہے، وہ محض غلط۔ ہاں مرزا الٰہی بخش، جو شہزادوں میں ہیں، ان کو حکم کرانچی بندر جانے کا ہے اور وہ انکار کر رہے ہیں، دیکھیے کیا ہو۔ حکیم جی کو ان کی حویلیاں مل گئی ہیں۔ اب وہ مع قبائل ان مکانوں میں جا رہے ہیں۔ اتنا حکم ان کو ہے کہ شہر سے باہر نہ جائیں۔ رہا میں:

تو بے کسی وغریبی ترا کہ می پرسد

نہ جزا، نہ سزا، نہ نفرین، نہ آفرین، نہ عدل، نہ ظلم، نہ لطف، نہ قہر۔ ۱۵ دن پہلے تک دن کو روٹی رات کو شراب ملتی تھی، اب صرف روٹی ملے جاتی ہے، شراب نہیں۔ کپڑا ایام تنعم کا بنا ہوا ابھی ہے، اس کی کچھ فکر نہیں ہے۔ مگر تم کو میرے سر کی قسم! یہ لکھ بھیجو کہ میری خبر تم نے کیا سنی؟ مجھے اس کے معلوم ہونے سے مزا ملے گا۔ **(۱۸)**

غالبؔ دلی کے رہنے والے تھے۔ جب دلی میں حملہ ہوا تو وہ ناخوش ہوئے۔ انہوں نے دستنبو میں بھی یہ سب لکھے۔ جب دلی کے حالات بہت خراب ہو گیا تو وہ دلی چھوڑ کر بھاگے ہوئے مولوی عزیز الدین کو ۱۸۵۹ء میں لکھتے ہیں:

صاحب! کیسی صاحب زادوں کی سی باتیں کرتے ہو؟ دلی کو ویسا ہی آباد جانتے ہو جیسی آگے تھی؟ قاسم جان کی گلی، میر خیراتی کے پھاٹک سے فتح اللہ بیگ خاں کے پھاٹک تک بے چراغ ہے۔ ہاں اگر آباد ہے تو یہ ہے کہ غلام حسین خاں کی حویلی ہسپتال ہے اور ضیاء الدین خاں کے کمرے میں ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں۔ اور کالے صاحب کے مکان میں ایک اور صاحب عالی شان انگلستان تشریف رکھتے ہیں۔ ضیاء الدین خاں اور ان کے بھائی مع قبائل اور عشائر لوہارو میں۔ لال کنویں کے محلے میں خاک اڑتی ہے، آدمی کا نام نہیں تمہارے مکان میں جو چھوٹی بیگم رہتی تھی [اس کے پاس اور لکھمی کی دوکان پر اس اشتہار کو بھیجا۔ بیگم] لاہور گئی ہوئی ہے۔ لکھمی چند کی دکان میں کتے لوٹتے ہیں۔ مولوی صدر الدین صاحب لاہور ہیں۔ ایزد بخش، تراب علی، ان لوگوں سے میری ملاقات نہیں۔ **(۱۹)**

تنگ دستی نے غالبؔ کی زندگی کو برباد کر دیا تھا۔ ایک وقت خودی کی وجہ سے کالج میں پروفیسر نہ ہوئے۔ آخری عمر میں قرض داروں کی وجہ سے، گھر کے خرچہ کی وجہ سے دوست واحباب کے سامنے چھوٹا ہونا پڑتا تھا۔ وہ ہمیشہ چاہتے تھے کہ ان کا جو پنشن تھا وہ جاری ہو جائے۔ اسلئے وہ انگریزوں کے حکم کی تعمیل میں ہر وقت تیار رہتے تھے۔ شیو نرائن کو ایک خط میں وہ آرنلڈ صاحب کے تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جناب آرنلڈ صاحب بہادر آج تشریف لے گئے۔ سنتا ہوں کہ کلکتہ جائیں گے، میم اور بچوں کو ولایت بھیج کر پھر آئیں گے۔ مجھ سے وہ سلوک کر گئے ہیں اور مجھ پر وہ احسان کر گئے ہیں کہ قیامت تک ان کا شکر گزار رہوں گا۔ (۲۰)

انہوں نے پنشن کے لئے اپنی ایمان داری کا بھی پروانہیں کی۔ پنشن کے باب میں پاگل جیسے ہوگئے تھے۔ کسی دوسرے شخص کو جب پنشن ملا تو وہ اور بھی زیادہ حیران و پریشان ہوگئے۔ اس بے چینی کو اس عبارت میں میر مہدی مجروحؔ کو لکھتے ہیں:

میری جان! خدا تجھ کو ایک سو بیس برس کی عمر دے۔ بوڑھا ہونے آیا، ڈاڑھی میں بال سفید آ گئے مگر بات سمجھنی نہ آئی؟ پنشن کے باب میں الجھے ہو اور کیا بے جا الجھے ہو۔ یہ تو جانتے ہو کہ دلی کے سب پنشن داروں کو مئی سنہ ۱۸۵۷ع سے پنشن نہیں ملا۔ یہ فروری سنہ ۱۸۵۹ع بائیسواں مہینہ ہے۔ چند اشخاص کو اس بائیس مہینے میں سال بھر کا روپیہ بطریق مدد خرچ مل گیا۔ باقی چڑھے ہوئے روپے کے باب میں اور آیندہ ماہ بہ ماہ ملنے کے واسطے ابھی کچھ حکم نہیں ہوا۔ تم اب اپنے سوال کو یاد کرو کہ اس واقعہ سے اس کو کچھ نسبت ہے یا نہیں؟ (۲۱)

پنشن کا جتنا ہی ٹنشن تھا اس ٹنشن کو ایک خط ہی نے دور کر دیا تھا۔ وہ خط تھا نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کی طرف سے۔ خط ملنے کے بعد وہ تمام تکلیفیں بھول گائے۔ وہ میر مہدی حسین مجروحؔ کو لکھتے ہیں:

مجھ پر میرے اللہ نے ایک اور عنایت کی ہے اور اس غم زدگی میں ایک گونہ خوشی---اور کیسی بڑی خوشی---دی ہے۔ تم کو یاد ہوگا کہ ایک ''دستنبو'' نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کی نذ د بھیجی تھی۔ آج پانچواں دن ہے کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کا خط مقام الہ آباد سے بسبیل ڈاک آیا، وہ کاغذ افشانی، وہی القاب قدیم، کتاب کی تعریف، عبارت تحسین، مہربانی کے کلمات۔ کبھی تم کو خدا یہاں لائے گا تو اس کی زیارت کرنا۔ پنشن کے ملنے کا بھی حکم آج کال آیا چاہتا ہے اور یہ بھی توقع پڑی ہے کہ گورنر جنرل بہادر کے ہاں سے بھی کتاب کی تحسین اور عنایت کے مضامین کی تحریر آجائے۔ (۲۲)

غالبؔ حقیقت میں ہنگامہ باز نہ تھے۔ لڑائی، خون خرابی ان کو پسند نہ تھا۔ خصوصاً ۱۸۵۷ کے واقعات میں بہت عورتیں اور بچیں بھی زخم ہوئے اور لاش بھی بنے تھے۔ یہ سب غالبؔ کو نہ پسند تھا۔ وہ اپنے خطوط میں اس کا اظہار بھی کیا۔ پھر جب انگریزوں نے ہندوستانی سپاہیوں کو قابو میں لے لیا تب انگریزوں کی طرف سے شروع ہوا ایک ہیبت ناک دور۔ اس وقت انگریزوں نے بہت غیر مجرم مسلمانوں پر قتل عام چلایا۔ بہت سے انسان اپنے گھر چھوڑے تھے، جائداد کو بھی ترک کرنا پڑا۔ علماء کرام انگریزوں کی خون ریزے کا شکار ہوئے۔ درختوں پر مسلمانوں

کے لاش جھولتے تھے۔ ایسا ہیبت ناک واقعہ ہندوستان میں اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ بعد میں بھی نہیں ہوا۔ غالبؔ نے اس کے خلاف بھی احتجاج اٹھایا۔ لیکن انگریزوں کے خوف سے خصوصاً پنشن کی لالچ سے انہوں نے اتنا زیادہ نہیں لکھ سکا جتنا غدر ۱۸۵۷ کے خلاف لکھا تھا۔ میر مہدی مجروحؔ کو وہ لکھے ہیں: ''ایک غدد کالوں کا، ایک ہنگامہ گوروں کا'' (۲۳)

ایک دوسرے خط میں ۱۸۵۷ کے بعد کا حال اس طرح لکھتے ہیں:

> ''یاد کرو، مرزا گوہر کے باغیچے کے اس جانب کوئی بانس نشیب تھا، اب وہ باغیچہ صحن کے برابر ہوگیا، یہاں تک کہ راج گھاٹ کا دروازہ بند ہوگیا۔ فیصل کے کنگورے کھلے رہے ہیں، باقی سب اٹ گیا۔ کشمیری دروازہ کا حال تم دیکھ گئے ہو، اب آہنی سڑک کے واسطے 'کلکتہ دروازہ' سے 'کابلی دروازہ' تک میدان ہوگیا۔ 'پنجابی کٹرہ' 'دھوبی واڑہ' رام جی داس کا گنج، سعادت خاں کا کٹرہ' جرنیل کی بی بی کی حویلی، رام جی داس گودام والے کے مکانات، صاحب رام کا باغ، حویلی، ان میں سے کسی کا پتا نہیں ملتا۔ قصہ مختصر، شہر صحرا ہوگیا تھا، اب جو کنوئیں جاتے رہے اور پانی گوہر نایاب ہوگیا تو یہ صحرا، صحرائے کربلا ہو جائے گا۔ اللہ اللہ! دلی نہ رہی اور دلی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہے جاتے ہیں۔ واہ رے حسن اعتقاد! ارے بندۂ خدا، اردو بازار نہ رہا، اردو کہاں؟ دلی کہاں؟ واللہ اب شہر نہیں ہے، کنپ ہے، چھاؤنی ہے۔ نہ قلعہ، نہ شہر، نہ بازار، نہ نہر۔'' (۲۴)

غالبؔ طبیعتاً امن پسند تھے۔ غالبؔ جس کو غدر کہہ کے انگریزوں کے ساتھ دی تھی وہ دراصل ان کی خطا تھی، ہندوستانیوں کے خلاف 'غدر' لفظ استعمال نامناسب تھا۔ اس کے علاوہ غالبؔ کی سماجی امن پسندی، ذاتی امن پسندی موجودہ زمانہ میں قابل اتباع ہے۔ ہم کو چاہئے انسان دوستی میں ان کا پیروی کرے۔

حوالہ جات

۱۔ مرزا اسداللہ خاں غالب، اردوئے معلیٰ حصہ اول جلد دوم، (تدوین وحواشی: سید مرتضیٰ حسین فاضل) لاہور: مجلس ترقی ادب، صدی ایڈیشن، ۱۹۶۹، ص ۵۰۶

۲۔ مرزا اسداللہ خاں غالب: اردوئے معلیٰ حصہ اول جلد اول، (تدوین وحواشی: سید مرتضیٰ حسین فاضل) لاہور: مجلس ترقی ادب، صدی ایڈیشن، ۱۹۶۹، ص ۱۷۶

۳۔ ایضاً، ص۔ ۵۰

مرزا اسداللہ خاں غالب، خطوط غالب (کامل) (مرتب: غلام رسول مہر) لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار سوم، ۱۹۶۲، ص ۴۲۵

۴۔ مرزا اسداللہ خاں غالب، اردوئے معلّی حصہ اول جلد اول، ص ۳۳۳
۵۔ ایضاً، ص ۱۵۴
۶۔ ایضاً، ص ۱۷۶
۷۔ مرزا اسداللہ خاں غالب، عود ہندی، ۱۹۲۶، ص ۸۴
اردوئے معلّی، ص ۳۶۶
۸۔ اردوئے معلّی حصہ اول جلد اول، ص ۳۷
۹۔ ایضاً، ص ۵۷
۱۰۔ ایضاً، ص ۹۶
۱۱۔ مرزا اسداللہ خاں غالب، خطوط غالب، ص ۵۹۸
۱۲۔ مرزا اسداللہ خاں غالب، اردوئے معلّی حصہ اول جلد دوم، ص ۸۹۳
۱۳۔ ایضاً، ص ۴۷۷
۱۴۔ سید قدرت نقوی، اسرارِ غالب، دہلی: تخلیق کار پبلشرز، ۱۹۹۶، ص ۵۶
۱۵۔ ایضاً، ص ۵۶
۱۶۔ اردوئے معلّی، ص ۱۲۶
۱۷۔ ایضاً، ص ۲۳۳
۱۸۔ ایضاً، ص ۲۰۱
۱۹۔ ایضاً، ص ۴۲۷
۲۰۔ اردوئے معلّی حصہ سوم، ص ۹۹۱
۲۱۔ اردوئے معلّی حصہ اول جلد اول، ص ۳۷۷
۲۲۔ ایضاً، ص ۳۳۶
۲۳۔ ایضاً، ص ۳۴۶
۲۴۔ ایضاً، ص ۳۶۰